دینی مدارس کے خلاف معرکہ آرائی کیوں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

۲۰،۲۱ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱۳،۱۴رجنوری ۲۰۱۵ء بروز منگل، بدھ محترم جناب سلیم صافی صاحب کا کالم ’’دینی مدارس، اصل مسئلہ اور حل‘‘ کے نام سے روزنامہ جنگ میں دو اقساط میں شائع ہوا ہے، جس میں جناب موصوف نے مدارس اور اہل مدارس کے بارہ میں پائی جانے والی کئی ساری غلط فہمیوں کے ازالہ کی عمدہ، جاندار اور احسن کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کو اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ لیکن موصوف نے اپنے اسی کالم میں مدارس، اہل مدارس، نصاب اور نظام تعلیم کے متعلق جناب جاوید احمد غامدی کی ایک تحریر کے حوالہ سے ایسی چند بے بنیاد اور بے حقیقت باتیں بھی تحریر فرمادی ہیں، جن کی نشاندہی اور صحیح صورتحال سے آگاہی کی ضرورت ہے۔

محترم جناب! اس بات سے یقیناً آپ واقف ہوں گے کہ ہر دور میں ایک طبقہ ایسا رہا ہے، جو ہمیشہ حکومت اور علمائے حق کے درمیان منافرت اور منازعت اور دینی مدارس کے خلاف معرکہ آرائی کو ملک وملت کی سب سے بڑی خدمت تصور کرتا ہے، اور بار بار وقفے وقفے سے اس پروپیگنڈہ کو ہوا دیتا رہتا ہے کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل دورِ جدید کے تقاضوں اور ضروریات سے نابلد اور بے خبر ہیں۔ حالانکہ اہل بصیرت علمائے حق دورِ جدید کے تقاضوں سے نہ صرف یہ کہ باخبر ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تدریس، تعمیل اور ترویج کے ساتھ ساتھ مسلم امراء اور عام مسلمانوں کی بھی قرآن وسنت کی روشنی میں خیرخواہی اور راہنمائی کرتے آئے ہیں۔

2:......صحیح صورتحال یہ ہے کہ ملاحدہ اور تجدد پسندوں کی ایک کھیپ کا مقصد امت مسلمہ کو اس کے ماضی سے کاٹ دینا اور اسے دین اسلام کی چودہ سو سالہ متفقہ اور متوارث تعبیر سے محروم کردینا ہے اور

تشریح اپنے اپنے الفاظ اور اپنی اپنی تعبیرات میں بیان کی ہے۔ عام مسلمانوں کو ایک نظم میں رکھنے اور ان کو نفس وشیطان کے اغوا سے بچانے کے لیے کسی ایک فقہ کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا۔

۱ : للہ! مدارس میں کسی بھی فقہ کا پیروکار داخلہ لینا چاہے، اس کو داخلہ مل جاتا ہے، فقہ کا اختلاف L کسی مدرسہ میں داخلہ کے لیے حائل نہیں ہوا۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے پیروکار کثیر تعداد میں پڑھتے رہے ہیں اور اب بھی پڑھ رہے ہیں۔ یہی حال دوسرے مدارس کا بھی ہے۔ یہ تو حکومت نے پابندی لگادی کہ دینی تعلیم کے حصول کے لیے کوئی غیر ملکی طالب علم پاکستانی مدارس میں داخلہ نہیں لے سکتا، ورنہ مدارس میں کسی فقہ کی بنیاد پر کسی طالب علم کو داخلہ سے محروم نہیں کیا جاتا۔

رہا کوئی اہل حدیث کسی دیوبندی کے مدرسہ میں یا بریلوی کسی شیعہ کے مدرسہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی مدارس پر الزام ہے، ورنہ کوئی بھی فرد بحیثیت طالب علم کسی مسلک اور کسی مکتب فکر کے مدرسہ میں داخلہ لینا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں، اس لیے کہ راقم الحروف اس کا عینی گواہ ہے کہ غالباً ۱۹۸۳ء یا ۱۹۸۴ء میں میرے درجہ ثانیہ کے وقت ایک شیعہ طالب علم ہمارے مدرسہ میں ایک استاذ کے پاس قرآن کریم کی تفسیر پڑھنے آتا تھا اور پوری بحث بھی کرتا تھا۔ اسی طرح دورہ حدیث کے سال میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ہمارا ایک ساتھی اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتا تھا، اور اس نے اہل حدیث ہونے کے باوجود دورہ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے ہی مکمل کیا اور سندفراغ حاصل کی اور وہ آج بھی ایک اہل حدیث مکتب فکر کے ادارہ میں پڑھا رہا ہے۔

محترم! مدارس صرف دینی تعلیم کے لیے ہیں اور ہر ایک کے حصولِ تعلیم کے لیے کھلے ہوئے ہیں، مدارس میں فرقہ بندی یا تعصب کو L ہوا نہیں دی گئی، لیکن جب سے حکومتوں کی ایک دوسرے پر تسلط اور غلبہ کی پا ں اور سازشوں کے ذریعہ فرقہ واریت کو ہوا دی گئی اور ان کو آپس میں دست وگریبان کردیا گیا تو ہر ایک دوسرے کے سایہ سے ڈرنے لگا۔ ورنہ دیوبندی ہو یا بریلوی، اہل حدیث ہو یا شیعہ، سب ایک دوسرے کا علمی احترام کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔

۲:- محترم! آپ نے لکھا: ''دوسری بڑی خرابی ان مدارس کے نظام میں یہ ہے کہ یہ اگرچہ دینی مدارس ہیں، لیکن دین میں جو حیثیت قرآن کو حاصل ہے، وہ ان میں اسے کہیں حاصل نہیں۔''

محترم! یہ بات بھی حقیقت سے بہت دور ہے، اس لیے کہ ہر طالب علم کو قرآن کریم نا ہ پڑھانے سے پہلے نورانی قاعدہ، بغدادی قاعدہ، وغیرہ پڑھایا جاتا ہے، تاکہ اُسے الفاظِ قرآن کی پہچان ہوجائے اور اس کا تلفظ درست ہوجائے، اس کے بعد نا ہ قرآن کریم، پھر حفظ قرآن یا اس کا ایک پارہ یاد کرایا جاتا ہے۔ صحیح قراءت اور تجوید کے لیے جمال القرآن، جزری، فوائد مکیہ اور اس طرح کی فن

قراءات سے متعلق دوسری کتب پڑھائی جاتی ہیں۔

درجہ ثانیہ سے ایک پارہ قرآن کریم، ترجمہ اور تفسیر، درجہ ثالثہ میں دس پارہ کا ترجمہ وتفسیر، درجہ رابعہ میں پھر دس پاروں کا ترجمہ وتفسیر، درجہ خامسہ میں بقیہ پاروں کا ترجمہ وتفسیر، درجہ سادسہ میں پورے قرآن کریم کی تفسیر، تفسیر جلالین کے نام سے پڑھائی جاتی ہے اور درجہ سابعہ میں تفسیر بیضاوی۔ اب اگر یہ قرآن کریم کو اولیت اور فوقیت نہیں اور اس کو نصاب میں محور و مرکز کا مقام حاصل نہیں تو اور کس کو حاصل ہے؟ بلکہ مدارس کے نصاب میں پڑھایا جانے والا مکمل نصاب ہے ہی قرآن کریم کی خدمت اور قرآن کریم کی تفہیم کے لیے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل طالب علم قرآن کریم میں اپنی من مانی تاویل نہیں کرتا، قرآن کریم کی تحریف کا مرتکب نہیں ہوتا، ریسرچ اور تحقیق کے نام سے اپنے غلط نظریات کے لیے قرآن کریم کو ڈھال نہیں بناتا، وہ ہمیشہ قرآن کریم کو احادیث کے آئینہ اور اسلاف کے طریقہ میں دیکھتا ہے اور اسی کے مطابق تشریح کرتا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عثمانی، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن، بیان القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معارف القرآن، مولانا عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر انوار البیان، صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کی معالم العرفان فی دروس القرآن، یہ تمام اکابر وہی ہیں جنہوں نے مدارس میں اسی نصاب کو پڑھا ہے اور انہوں نے یہ قرآن کریم کی خدمت کی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ان کو قرآن کریم نہیں پڑھایا گیا اور قرآن کریم ان کو نہیں سمجھایا گیا تو یہ کئی کئی جلدوں میں انہوں نے تفاسیر کیسے لکھ لیں؟

فقہ کی بنیاد بھی قرآن کریم ہی ہے اور فقہ سے مراد قرآن کریم کے وہ احکام ہیں جو انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً عبادات: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، وغیرہ۔ مناکحات: نکاح، طلاق، تفریق، مہر، عدت، ثبوتِ نسب، والدین، اولاد، بیوی کا نفقہ، میراث، وصیت وغیرہ۔ معاملات: خرید وفروخت، آجر اور اجیر، مالک اور کرایہ دار کے احکام، ہبہ، قرض وغیرہ، انتظامی قوانین: امیر کا انتخاب، عدلیہ کی تشکیل، شہادت، جرائم پر سزائیں، امن وامان قائم رکھنے کی تدبیریں وغیرہ یہ سب قرآنی احکامات ہیں جن کو آسان الفاظ میں فقہ کے عنوان کے تحت پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔

جدید تحقیق اور اجتہاد ان مسائل میں روا نہیں جو کہ منصوص ہیں یا ان پر پہلے تحقیق ہو چکی ہے اور وہ عملی توارث وتواتر سے چلی آرہی ہیں، ہاں! جدید پیش آمدہ مسائل میں تحقیق ناگزیر ہے، لیکن اس کے لیے بھی شرائط ہیں:

ا:... تمام علوم عالیہ وآلیہ میں مہارتِ تامہ ہو۔ ۲:... جدید مسائل کا حل انفرادی نہ ہو، بلکہ

شورائی طریقہ پر ہو۔۳:... مجلس شوریٰ کا ہر رکن متقی، پرہیزگار، علم وعمل کا جامع اور خالص اسلامی ذہن رکھتا ہو، مغربی تہذیب وتمدن کا دل دادہ اور مستشرقین کا تربیت یافتہ نہ ہو۔۴:... جدید مسائل میں ان اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے گا جو مجتہدین نے طے کردیے ہیں، جدید مسائل کا حل ان اصولوں کے ماتحت رہ کر ہو، ان سے بالاتر نہیں۔۵:... سب کو مجلس شوریٰ کے فیصلے کا پابند کیا جائے۔ اگر ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا گیا اور اپنی انفرادی رائے کو ریسرچ اور تحقیق کے نام سے پیش کیا گیا تو اس سے فتنے پیدا ہوں گے اور فرقہ واریت پھیلے گی، جس کے روکنے کے لیے یہ سب تدابیر اختیار کی جارہی ہیں۔ اس لیے انفرادی طور پر اپنی اپنی تحقیق کے پردہ میں فتنہ کھڑا کرنے اور فرقہ واریت پیدا کرنے اور پھیلانے کی اجازت کسی کو نہ دی جائے گی۔

۳:- آپ نے لکھا کہ تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کا نصاب نہایت فرسودہ اور ہماری علمی ودینی ضرورتوں کے لیے بالکل بے حاصل ہے۔

اس کے جواب میں شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر کا حوالہ کسی قدر حک واضافہ کے ساتھ دینا کافی ہوگا، حضرت لکھتے ہیں:

''اصولی طور پر جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جن حالات میں دین کے تحفظ کے لیے دینی مدارس کا نظام عمل میں آیا تھا، کیا ان حالات میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ بادی النظر میں حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں، وہ غلامی کا دور تھا، اور یہ آزادی کا دور ہے، لیکن اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہی حالات جوں کے توں اب بھی باقی ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

دینی مدارس کا نظام جب قائم ہوا اس وقت حالات یہ تھے کہ عصری تعلیم گاہوں میں دینی علوم اور دینی اقدار کے تحفظ کا کوئی احساس نہیں تھا، بلکہ ان کا نصاب تعلیم، فلسفۂ تعلیم اور طرزِ تعلیم مغربیت کے محور پر گردش کرتا تھا، ان میں اگر دینی علوم پڑھائے جاتے تھے تو وہ بھی دین کی خاطر نہیں، بلکہ محض حصولِ دنیا کے لیے تھے، اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ دینی علوم واقدار کے تحفظ کے لیے الگ قومی ادارے قائم کیے جائیں اور ان کا طرز ایسا رکھا جائے کہ دنیوی منصب وجاہ کے عشاق اس کوچے میں قدم نہ رکھ سکیں، بلکہ یہاں صرف وہی لوگ آئیں جنہوں نے دنیا کی ہر آسائش وآزمائش سے بالاتر ہوکر دینی علوم سے رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہو، اس جرم وفا میں ان کو گالیاں دی گئیں، طعن وتشنیع کے تیروں سے ان کے سینے چھلنی کیے گئے، ان کے حق میں ایسے ایسے فقرے چست کیے گئے کہ انہیں سن کر شیطان بھی پناہ مانگے، مگر آفرین ہے ان دلق پوش بوریہ نشین درویشوں کو کہ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھنے سننے کے باوجود قال اللہ وقال الرسول کی چوکھٹ سے سر اٹھانا گوارا نہ کیا کہ:

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی کے بعد بھی ہمارے یہاں دو متوازی نظام تعلیم چل رہے ہیں، ایک انگریزی دور کی یادگار جس کا منتہائے نظر کرسی وملازمت، جیب اور پیٹ کے سوا کچھ نہیں، دوسرا دینی نظام تعلیم جس کا مقصد وحید دینی علوم واقدار کا تحفظ ہے، اگر اول الذکر مدارس تعلیم کا رخ دنیا سے دین کی طرف پھر گیا ہوتا اور وہ مغربی طرزِ تعلیم کے محور پر گھومنے کے بجائے مدنی فلسفۂ تعلیم کے محور پر گردش کرنے لگتے تو ہم دینی مدارس کے ارباب حل وعقد کو پرخلوص اور پرزور مشورے دے سکتے تھے کہ وہ بھی اپنے دائرہ عمل میں تبدیلی پیدا کرلیں، تاکہ عصری تعلیم اور دینی تعلیم کو ہم آہنگ کیا جاسکے، لیکن جب ہماری عصری تعلیم گاہوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، نہ ان کی وضع قطع اسلامی، نہ ان کی نشست وبرخاست اسلامی، نہ ان کا طرز بود وباش اسلامی، نہ ان کے جذبات اسلامی، نہ ان کے مقاصد اسلامی، بلکہ اول سے آخر تک دنیا ہی دنیا مطمحِ نظر ہے، بلکہ برائے نام اسلامیات جو رکھی گئی ہے وہ بھی خالص دنیا کی خاطر ہے، جس سے نہ جذبۂ عمل پیدا ہوتا ہے، نہ فکر آخرت، نہ تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہوتی، نہ اصلاحِ معاد کی، تو یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ آخر دینی مدارس کی کایا پلٹ کرنے پر کیوں زور دیا جاتا ہے؟ یہ معدودے چند درویش جو خدا تعالیٰ کے دین کے لیے وقف ہوگئے ہیں ان کو بھی دنیا ہی کا کلوروفام سنگھا کر آخر مدہوش وبیہوش کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے؟

اب اگر حکومت اور ان کے رفقاء عصری مدارس کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے، ان کے طرز تعلیم، نصاب تعلیم اور فلسفۂ تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرتے تو مدارس عربیہ کی اصلاح خود بخود ہوجاتی، لیکن موجودہ حالات میں دینی مدارس کے ڈھانچہ کو تبدیل کردینا ہمارے نزدیک نہ ان مدارس کے حق میں بہتر ہوگا، نہ ملک وملت کے حق میں۔ آج برصغیر میں دینی علوم کی پختگی، دینی فہم کی سلامتی اور دینی اقدار کے آثار ونشانات جو نظر آتے ہیں ان کی نظیر پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی، اور یہ انہی دینی مدارس کے طرز تعلیم اور ان بوریہ نشین طالب علموں کے اخلاص کی برکت ہے۔ اگر یہ نظام تعلیم بدل دیا گیا تو چند سال بعد یہاں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، دینی مدارس ضرور ہوں گے، مگر دین نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں ہم ان علمائے کرام سے بھی گزارش کرنا چاہتے ہیں جن کی خیر خواہی کے لیے یہ سب کچھ ہوگا کہ یہ ان کے لیے شدید آزمائش ہے، انہیں اپنی خداداد بصیرت سے فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان حالات میں دین کے تحفظ کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ **واللّٰہ الموفق لکل خیر وسعادۃ۔** (اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں، ج:۲،ص:۲۹۰)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین